پروفیسر محمد اسلم

سلاطینِ دہلی کی رواداری

ہندو تہذیب اور ادب

ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان افہام و تفہیم کا آغاز فتح سندھ کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ فاتح سندھ محمد بن قاسم نے سندھ کے ہندوؤں اور بدھوں کو بت پرست ہونے کے باوجود اہلِ کتاب کے مساوی حقوق دے کر ان پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے کھول دیے۔ اس نے راجہ داہر کے وزیر سیاکر کو اپنا مشیر اور وزیر مقرر کیا،[1] اور داہر کی بیوہ رانی لاڈلی کو مالِ فے سے خرید کر اپنی زوجیت میں لے لیا۔[2] محمد بن قاسم نے غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی جو روایت قائم کی اس کے بعد صدیوں تک سلاطینِ دہلی اس پر کاربند رہے۔

سلطان محمود غزنوی کو ہندو اور انگریز مورخ متعصب اور ہندو کش ہونے کا الزام دیتے ہیں لیکن وہ اس حقیقت کو یکسر فراموش کر جاتے ہیں کہ اس کی فوج میں بہت سے ہندو سپاہی اور کئی کمانڈر شامل تھے جن کی رہائش کے لیے غزنی میں الگ محلے تھے جہاں انھیں ہر طرح کی مذہبی آزادی حاصل تھی۔[3] سلطان محمود ابوریحان البیرونی کا بڑا قدردان تھا اور اس کی مایۂ ناز تصنیف "کتاب الہند"

---

[1] علی بن حامد کوفی، چچنامہ، مطبوعہ دہلی ۱۹۳۹ء، ص ۲۰۰۔ محمد بن قاسم او را اکرامت کرد و بزرگان را پیش او باستقبال فرستاد و باعزاز و اکرام در حق او تربیتہا فراوان مبذول داشت و شغل وزارت بوی مفوض فرمود و نصیحت گر مسلمانان شد و ہر راز و مشورت کہ امیر محمد کردی با وی بودی"

[2] ایضاً ص ۲۲۲۔ "زنِ داہر لاڈی را کہ از فئ خریدہ و بزنی خود آوردہ بود ۔۔۔۔"

[3] محمد ناظم۔ دی لائف اینڈ ٹائمز آف سلطان محمود آف غزنہ، مطبوعہ کیمبرج ۱۹۳۱ء ص ۱۵۴، ۱۵۲۔

ہندو تہذیب و تمدن کی کان سمجھی جاتی ہے[۱] ابیرونی نے سنسکرت کی متعدد کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کرکے اپنے ہم مذہبوں کو ہندوؤں کے مذہب، تہذیب اور تمدن سے روشناس کرایا۔

سلطان محمود کے زمانے میں گنڈا نامی ایک راجہ کالنجر پر حکمران تھا۔ ایک بار سلطان کے ساتھ اس کا مقابلہ ہوا جس میں اس نے منہ کی کھائی۔ سلطان نے گنڈا پر فتح پانے کے بعد اسے حسب عادت معاف کر دیا۔ سلطان کی برصغیر سے واپسی کے بعد گنڈا نے سلطان کے اطاعت گزار قنوج کے راجہ پر چڑھائی کر کے اسے قتل کر ڈالا۔ سلطان نے اسے اس گستاخی کی سزا دینے کے لیے کالنجر پر چڑھائی کر دی اور گنڈا کو شکست فاش دی۔ گنڈا نے سالانہ خراج اور تین سو ہاتھی دینے کے وعدہ پر اپنی جان بخشی کروائی۔ اس موقع پر گنڈا نے سلطان کی مدح میں ہندی زبان میں ایک بیت لکھ کر اس کے حضور میں گزاری۔ سلطان نے جب اس بیت کا فارسی ترجمہ سنا تو وہ گنڈا سے اس قدر خوش ہوا کہ اس نے کالنجر کے نواح میں مزید پندرہ قلعے اسے بخش دیے[۲]۔

مسعود سعد سلمان لاہوری، سلطان مسعود غزنوی کے عہد حکومت میں ایک عظیم شاعر ہو گزرا ہے اور اس کا شمار فارسی شاعری کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ محمد عوفی اس کے متعلق لکھتا ہے کہ اس نے تین دیوان مرتب کیے تھے جن میں ایک "ہندوی" زبان میں تھا[۳]۔

سلطنت دہلی کا بانی شہاب الدین محمد غوری گو خود غزنی میں رہتا تھا لیکن اس نے دہلی کی ٹکسال میں جو سکے ڈھالے ان پر سنسکرت زبان میں "سری محمد سام" منقوش تھا[۴]۔ اسی طرح اس کے جانشین قطب الدین ایبک نے ہندوؤں کی دلداری کے لیے اپنے سکوں پر بیل کی تصویر کندہ کروائی[۵]۔

---

[۱] ایشوری پرشاد، اے شارٹ ہسٹری آف مسلم رول ان انڈیا۔ مطبوعہ الہ آباد ۱۹۳۶ء، ص ۲۲۴۔

[۲] گردیزی، زین الاخبار، مطبوعہ طہران ۱۳۱۵ شمسی، ص ۶۳

[۳] محمد عوفی، لباب الالباب، مطبوعہ طہران ۱۳۳۳ شمسی، ص ۴۲۳۔

— اورا سہ دیوانست: یکی بتازی، یکی بپارسی و یکی بہندوی۔

[۴] ایڈورڈ تھامس، دی کرانیکل آف دی پٹھان کنگز آف دہلی، مطبوعہ لندن ۱۸۷۱ء، ص ۱۸۔

[۵] خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، مطبوعہ دہلی ۱۹۵۸ء، ص ۹۷۔

قطب الدین ایبک کی اس روایت کو تاج الدین یلدز نے بھی برقرار رکھا۔[1] سلطان شمس الدین التمش نے برصغیر میں جو عمارات تعمیر کروائیں ان پر ہندوؤں کے فنِ تعمیر کا گہرا اثر نمایاں ہے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ سلطان التمش کے ہم عصر تھے اور انھیں ہندی زبان پر کامل عبور حاصل تھا۔ انھوں نے اجمیر میں قیام سے پہلے پانچ سال ملتان میں گزارے تھے اور وہیں انھوں نے ہندی زبان سیکھی تھی۔ حضرت صوفی حمید الدین ناگوریؒ کا شمار خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے خلفا میں ہوتا ہے۔ ان کے ملفوظات سرور الصدور کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے گھر میں ہندی زبان بولی جاتی تھی۔[2] اسی طرح بابا فرید الدین گنج شکرؒ بھی ہندی زبان میں بڑی روانی کے ساتھ گفتگو فرمایا کرتے تھے۔[3] امیر خسرو، بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے جانشین حضرت نظام الدینؒ اولیا کے محبوب ترین مرید تھے اور انھیں سنسکرت اور ہندوستانی موسیقی پر کامل عبور حاصل تھا۔ ان کی فارسی تصانیف میں ہندی الفاظ اور ہندوستانی محاورات عام ملتے ہیں۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے خلیفۂ اعظم حضرت بندہ نواز گیسو دراز نے جوامع الکلم میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ انھیں سنسکرت زبان پر عبور حاصل ہے اور انھوں نے ہندوؤں کی کئی کتابیں پڑھی ہیں۔ جوامع الکلم میں بہت سے ہندی الفاظ موجود ہیں جو روزمرہ کی گفتگو میں شامل تھے۔[4]

جلال الدین خلجی نے ہندوؤں کو سرکاری ملازمتیں دینا شروع کیں، چنانچہ اس کے عہد میں نائن نامی ایک ہندو ایک بڑے عہدے پر فائز تھا۔ علاالدین خلجی نے بھی اپنے پیشرو جلال الدین خلجی کی طرح ہندوؤں پر پورا پورا اعتماد کیا۔ چنانچہ اس کے عہد میں نائن کا بیٹا دوسا جو ایک اہم سرکاری عہدے پر فائز تھا۔ علاالدین کی وفات کے بعد دوسا جو اس کے جانشینوں کی ملازمت کرتا رہا اور اس کا نام غیاث الدین تغلق کے ملازموں کے زمرہ میں بھی ملتا ہے۔[5] علاالدین کے عہد میں کرسنگھ

---

[1] تاج الدین یلدز کے دو سکے میرے مجموعۂ مسکوکات میں موجود ہیں۔ ان پر بیل کی تصویر کندہ ہے۔

[2] خلیق احمد نظامی، تذکرۂ عرشی مطبوعہ دہلی ۱۹۶۵، ص ۱۱۔

[3] خلیق احمد نظامی، دی لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فرید الدین گنج شکر، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۵۵، ص ۷۰۔

[4] سید محمد اکبر حسینی، جوامع الکلم، مطبوعہ کانپور ۱۳۵۶ھ، ص ۱۱۹

[5] [illegible]

ایک بڑا نامور جینی ہو گزرا ہے۔ وہ علاء الدین کے معتمد الپ خان کا بڑا قریبی دوست تھا اور اس نے حکومت سے اجازت لے کر ۱۳۱۵ء میں پالی تن کے ایک قدیم مندر کی مرمت بھی کروائی تھی [1]

سلطان علاء الدین خلجی کے حرم میں کملا دیوی نامی ایک ہندو رانی موجود تھی [2] اس کے ولی عہد خضر خان نے بھی کملا دیوی کی بیٹی دیول رانی کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ امیر خسرو نے اپنی مشہور مثنوی "دول رانی خضر خاں" میں ان کی باہمی محبت کو بقائے دوام بخش دی ہے۔ عہدِ سلطنت کا مشہور مؤرخ ضیاء الدین برنی رقم طراز ہے کہ سلطان علاء الدین کے دربار میں ہندو منجم ہمیشہ موجود رہتے تھے اور وہ ان کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرتا تھا [3] سلطان کی دیکھا دیکھی اس کے امرا اور درباری بھی علم نجوم میں دلچسپی لینے لگے تھے۔ عہدِ علائی میں نجومیوں کا کاروبار اس قدر چمکا کہ ان کی ایک بڑی تعداد دہلی میں آ بسی تھی۔

علاء الدین کے عہد میں مرتنگ اچاریہ نامی ایک جینی ودیاوان نے ۵-۱۳۰۴ء میں پربندھ چنتا منی کے عنوان سے سنسکرت میں گجرات کی تاریخ مرتب کی [4] اسی طرح ۱۶-۱۳۱۵ء میں چندر ٹھاکر کے بیٹے فیرو نے دستور سارا کے نام سے سنسکرت میں ایک کتاب قلم بند کی [5] سلطان شہاب الدین محمد غوری کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے علاء الدین نے بھی اپنے سکوں پر سنسکرت زبان میں "سری علاء الدین" کے الفاظ منقوش کروائے [6]

عہدِ علائی میں چندر نامی ایک ہندو وید کی حذاقت اور جاجا جراح کی جراحت کا دُور دُور

---

[1] آغا مہدی حسین، تغلق ڈائنسٹی، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۶۳ء، ص ۳۱۵ -

[2] آغا مہدی حسین، رائز اینڈ فال آف محمد بن تغلق، مطبوعہ لندن ۱۹۳۸ء، ص ۱۸ -

[3] ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۲ء، ص ۳۶۳ -

"علم نجوم رواجی تمام داشت و ہیچ محلتی از منجم خالی نبودی و منجمان از بادشاہ و ملوک و امرا و اکابر و اشراف و خواجگان و خواجہ زادگان انعامات و صدقات بسیار یافتندی"

[4] آغا مہدی حسین، تغلق ڈائنسٹی، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۶۳ء، ص ۳۶۳ -

[5] ایضاً

[6] ایڈورڈ تھامس، کرانیکل آف دی پٹھان کنگز آف دہلی، مطبوعہ لندن ۱۸۷۱ء، ص ۱۶۲ -

یک مشہور تھا۔ مسلمان مؤرخوں نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ ان کے کمالِ فن کا اعتراف کیا ہے۔[51]

سلطان قطب الدین مبارک کے عہد میں ہندوؤں نے بڑا عروج حاصل کیا۔ سلطان کے منظورِ نظر غلام خسرو خاں نو مسلم نے اپنی قوم کے بیس ہزار کے قریب افراد کو فوج میں بھرتی کر کے حکومت کے تمام اہم شعبوں پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ سلطان قطب الدین مبارک نے سمر سنگھ جین کو دہلی طلب کر کے کمشنر کے عہدہ پر فائز کیا۔ سمر سنگھ نے اپنی دیانت داری اور فرض شناسی کی بدولت جلد ہی سلطان کے دل میں گھر کر لیا۔ قطب الدین کی وفات اور خسرو خان کی شکست کے بعد غیاث الدین تغلق نے اس کی خدمات حاصل کر لیں۔ اس عہد کے مؤرخ ہمیں بتاتے ہیں کہ سلطان غیاث الدین اسے ہمیشہ بیٹا کہہ کر پکارا کرتا تھا۔ غیاث الدین کی وفات کے بعد محمد بن تغلق نے بھی سمر سنگھ کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم رکھے اور اسے تلنگانہ کا گورنر بنا دیا جہاں اس نے کئی مندر تعمیر کیے۔[52]

سلطان محمد بن تغلق کو ہندو جوگیوں کی صحبت بے حد مرغوب تھی اور وہ ان کے ساتھ کافی وقت صرف کیا کرتا تھا۔[53] عصامی کا خیال ہے کہ انہی جوگیوں نے اسے راہِ راست سے بھٹکایا تھا۔[54] ابن بطوطہ نے سلطان کو ان کے ساتھ تنہائی میں راز و نیاز کی باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ ابن بطوطہ رقم طراز ہے کہ سلطان کی دیکھا دیکھی اس کے امرا بھی جوگیوں سے شعبدہ بازی سیکھنے لگے تھے۔[55] عصامی کی روایت ہے کہ محمد بن تغلق ہندوؤں کے تہواروں میں بڑی دلچسپی لیا کرتا تھا اور ہولی کا تہوار خاص طور پر بڑی دھوم دھام کے ساتھ منایا کرتا تھا۔ عصامی کے الفاظ ہیں[56]

---

[51] ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۲ء، ص ۳۶۳

[52] آغا مہدی حسین، تغلق ڈائنسٹی، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۶۳ء، ص ۳۱۵۔

[53] رحلۃ ابن بطوطہ، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۲ھ، جلد دوم، ص ۱۲۳۔ "والسلطان یعظمهم ویجالسهم"

[54] عصامی، فتوح السلاطین، مطبوعہ آگرہ ۱۹۳۸ء، ص ۵۱۵۔

[55] ابن بطوطہ، عجائب الاسفار، مطبوعہ لاہور ۱۸۹۸ء، ص ۲۶۳

جماعت جمعہ در اندا ختہ — ابا ہندواں ہولی باختنہ
ابا جوگیاں گشتہ خلوت سرا — بل راہ کفار را دادہ جا

ہندوؤں کے ساتھ میل جول سے محمد بن تغلق دریائے گنگا کا احترام کرنے لگا تھا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ اُسے گنگا جل بے حد مرغوب تھا اور جن دنوں وہ دولت آباد میں مقیم تھا وہ باقاعدہ گنگا جل پیا کرتا تھا۔ دولت آباد سے دریائے گنگا تک چالیس روز کی مسافت تھی لیکن سلطان نے گنگا جل کی فراہمی کا یہ انتظام کیا تھا کہ ڈاک چوکی کے ذریعے چالیسویں روز گنگا جل دولت آباد پہنچ جاتا تھا[1]

یہ دریائے گنگا کے ساتھ اس کی عقیدت کا ہی اثر تھا کہ اس نے اودھ کے علاقے میں دریائے گنگا کے کنارے "سرگ دواری" کے نام سے ایک شہر آباد کیا جہاں وہ چھ سال تک مقیم رہا[2] مشہور مورخ سیول جو سلطنت وجیانگر کی تاریخ پر بڑی سند سمجھا جاتا ہے، ایک پرتگیز فاضل نونیز کے حوالے سے لکھتا ہے کہ سلطان محمد بن تغلق نے گجرات کی مہم کے دوران ہندوؤں کے لیے ایک شوالہ تعمیر کروایا تھا[3]

سلطان محمد بن تغلق سنسکرت زبان میں بھی دلچسپی لیتا تھا اور متعدد ہندو اور جینی اہلِ قلم اور ودیا دان اس کے منظورِ نظر تھے۔ محمد بن تغلق کے سوانح نگار آغا مہدی حسین لکھتے ہیں کہ راجہ سیکھر، بھیم، منتری بھانک، مہندر، سوری، بھتارک، سمہاکرتی، سوما پربھ سوری، سوما تلک سوری، سبین سوری اور جنا پربھ سوری جیسے جینیوں کو سلطان کی سرپرستی حاصل تھی[4] ان جینیوں میں راجہ

---

[1] ابن بطوطہ، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۲ھ، جلد دوم، ص ۳۔ "وکذلك یحملون الماء لشرب السلطان اذا کان بدولة اباد یحملون من نهر الكنك الذی تحج الهنود الیه وهو علی مسیرة اربعین یوما منها"

[2] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا۔ مطبوعہ کیمبرج ۱۹۲۸ء، جلد سوم، ص ۱۵۴۔

[3] سیول، اے فارگاٹن ایمپائر، مطبوعہ لندن ۱۹۰۰ء، ص ۹۔

[4] آغا مہدی حسین، تغلق ڈائنسٹی، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۶۳ء، ص ۳۱۶۔

سیاسمر اور جنا پربھ سوری بڑے جید عالم تھے اور موخرالذکر نے ۱۳۳۲ء میں ودھا تیرتھ کالپ کے عنوان سے ایک کتاب بھی لکھی تھی[1] اس کے علاوہ اس نے اپنے ایک شاگرد سنگ تلک سوری کے ساتھ مل کر کالپ پر دیپ کے نام سے بھی ایک کتاب قلم بند کی تھی۔ اس کتاب میں اس نے "مہاراجہ ادھیراج" محمد بن تغلق کے ساتھ اپنی ملاقات کا ذکر بڑے فخریہ پیرائے میں کیا ہے۔ اس کی درخواست پر سلطان نے ایک فرمان جاری کیا جس میں جینیوں کے مندروں کی حفاظت کی ضمانت دی گئی تھی[2] ایک دوسرے موقع پر سلطان نے اسے ایک ہزار گائیں، کمبل، عطریات، کافور، صندل اور کپڑے دینے چاہے لیکن اس نے قبول کرنے سے معذرت ظاہر کردی۔ بعد ازاں سلطان کے اصرار پر چند کمبل اور کچھ کپڑے قبول کر لیے۔ محمد بن تغلق کے خزانے میں جین مت کے بانی وردھمان مہابیر کا ایک بت موجود تھا جو اس نے جنا پربھ سوری کی درخواست پر اسے مرحمت کر دیا۔[3] آغا مہدی حسین کا خیال ہے کہ محمد بن تغلق سنسکرت اور پراکرت خوب سمجھتا تھا اور وہ انہی زبانوں میں جنا پربھ سوری سے گفت گو کیا کرتا تھا۔[4]

محمد بن تغلق کے عہد میں ایک جینی فاضل سوما تلک نے نویک سترا سماسا، وسارا سوترا اور سپتا تی شناس تھا نکا کے عنوانات سے فلسفہ پر تین بلند پایہ کتابیں تصنیف کیں۔ اسی زمانے میں سودھا کلاسا نامی ایک موسیقار نے سنگیت اپنشد لکھ کر اپنے ہم عصروں سے اپنی قابلیت کا سکہ منوایا۔[5]

آغا مہدی حسین نے "تغلق ڈائنسٹی" میں اس عہد کے کئی سنسکرت کتبوں کا ذکر کیا ہے جن میں سلطان محمد بن تغلق کی خوب تعریف کی گئی ہے۔ انہی کتبوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں متعدد مندر تعمیر کیے گئے یا پرانے مندروں میں بت نصب کیے گئے۔

سلطان محمد بن تغلق ہندی شعر و شاعری میں بھی کافی دلچسپی لیتا تھا۔ شہاب الدین العمری کی روایت

---

[1] آغا مہدی حسین، تغلق ڈائنسٹی، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۶۳، ص ۳۲۳

[2] ایضاً، ص ۱۸ - ۳۱۷۔

[3] ایضاً، ص ۳۱۹

[4] ایضاً، ص ۳۲۲

[5] ایضاً، ص ۳۲۳

ہے کہ اس کے دربار میں بہت سے ہندی شاعر موجود تھے[1] سلطان نے اپنے عہدِ حکومت میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان طبقاتی تقسیم کو ختم کرنے کی بڑی کوشش کی - اس نے ہندوؤں پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے کھول دیئے اور انھیں ایسے اہم عہدوں پر فائز کیا جو اس سے قبل صرف ترکوں کے لیے مخصوص تھے -

سلطان محمد بن تغلق کے جانشین سلطان فیروز تغلق کی والدہ ابوہر کے راجہ رانا مل بھٹی کی بیٹی تھی، اس لیے اس کی رگوں میں راجپوتی خون بھی موجزن تھا - اُسے بھی اپنے پیشرو کی طرح ہندوؤں کے علوم سے دلچسپی تھی - چنانچہ اس نے سنسکرت زبان کی متعدد کتابوں کا فارسی زبان میں ترجمہ کروایا - نگرکوٹ کے کتب خانے سے علم نجوم کی ایک بڑی اہم کتاب سلطان کے ہاتھ لگی تھی - اس کے ایما پر اعز الدین خالد خانی نے "دلائلِ فیروزی" کے عنوان سے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا[2] عہدِ اکبر کے مشہور مؤرخ مُلّا نظام الدین احمد نے اس ترجمہ کی بڑی تعریف کی ہے[3] اسی طرح سلطان فیروز شاہ کے حکم سے علم نجوم پر برہمیر کی مشہور تصنیف "براہی سنگھتا" بھی سنسکرت سے فارسی قالب میں ڈھالی گئی[4]

سلطان علاالدین خلجی کی طرح سلطان فیروز شاہ کو بھی علم نجوم کے ساتھ بڑی دلچسپی تھی - شمس سراج عفیف کی روایت ہے کہ منجم اور کاہن اس کے دربار میں موجود رہتے تھے جو اس کے استفسار پر اُسے سعد و نحس گھڑیوں سے مطلع کرتے رہتے تھے - علم نجوم کے علاوہ سلطان فیروز شاہ کو ہندوستانی موسیقی کے ساتھ بھی بڑی رغبت تھی اور وہ اکثر ہندوستانی راگ سنا کرتا تھا - اس کے عہد میں ایک نامعلوم مصنف نے غنیۃ المنیہ کے عنوان سے ہندوستانی موسیقی پر ایک قابلِ قدر کتاب تصنیف کی تھی[5] اسی طرح عبدالعزیز شمس تھانیسری نام کے ایک فاضل نے رقص و غنا کے

---

[1] شہاب الدین العمری، مسالک الابصار، مطبوعہ علی گڑھ (تاریخ ندارد)، ص ۳۲ -

[2] عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، جلد اول، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۸، ص ۲۴۹ -

[3] نظام الدین احمد - طبقات اکبری، جلد اول، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۱۱، ص ۲۴۳ -

[4] خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، مطبوعہ دہلی - ۱۹۵۸، ص ۳۹۹ -

[5] غنیۃ المنیہ کا انگریزی ترجمہ اور فارسی متن شہزادی خورشید لقا بیگم مرحومہ نے تیار کیا ہے - یہ دونوں مخطوطے علی گڑھ

موضوع پر سنسکرت کی ایک کتاب کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔[1]

لودھیوں کے عہد حکومت میں مسلمان ہندوؤں کے علوم و فنون میں خصوصی دلچسپی لینے لگے تھے۔ اس دور میں واقعات مشتاقی کے مصنف رزق اللہ مشتاقی اور میاں طٰہٰ ہندوؤں کے علوم و فنون پر بڑی سند سمجھے جاتے تھے۔[2] سلطان سکندر لودھی کا وزیر میاں بھوہ سنسکرت زبان کا فاضل ہونے کے علاوہ ہندوستانی موسیقی پر بھی بڑی گہری نظر رکھتا تھا۔ سکندر لودھی کے عہد میں یحییٰ عمر کابلی نے لہجات سکندر شاہی کے عنوان سے ہندوستانی موسیقی پر ایک گراں قدر کتاب تصنیف کی۔[3] سلطان کو خود بھی ہندوستانی موسیقی کے ساتھ بڑا لگاؤ تھا اور اسے مالکوس، کلیان، کانہڑا اور حسینی راگ خاص طور پر پسند تھے۔ سلطان سکندر لودھی کے عہد میں علم طب پر ایک سنسکرت کتاب کا معدن الشفا سکندری کے نام سے فارسی میں ترجمہ ہوا۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر بے حد اہم ہے۔

سکندر لودھی کے ہم عصر بزرگ اور چشتیہ صابریہ سلسلے کے گل سرسبد شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کو سماع اور موسیقی سے بڑا لگاؤ تھا۔ موصوف کے فرزند شیخ رکن الدین رقمطراز ہیں کہ ان کے والد کی شادی کی تقریب پر جونہی ڈومنیوں نے یہ ہندی دوہڑا پڑھا:

کوکھ کھول دہنا نہ دیکھا لوری
اس گونگھٹ دہی کارن نہ ہاتھ مروری

تو شیخ موصوف نے وجد میں آکر اپنا عروسی جوڑا چاک کر ڈالا اور دلہا کی مسند سے اٹھ کر جنگل کی طرف بھاگ گئے۔[5]

یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کی لائبریری میں موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون بعنوان "سلطان فیروز تغلق کا ذوقِ موسیقی"۔ مطبوعہ المعارف اکتوبر ۱۹۷۱ء

[1] آر، سی مجمدار، دی دہلی سلطانیٹ، مطبوعہ بمبئی، ص ۵۳۸۔

[2] خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، مطبوعہ دہلی ۱۹۵۸، ص ۴۵۱

[3] لہجات سکندر شاہی کا مخطوطہ لکھنؤ یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون بعنوان "سلطان سکندر لودھی کا ذوقِ موسیقی"۔ مطبوعہ المعارف نومبر ۱۹۷۱ء۔

[4] عبداللہ، تاریخ داؤدی، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۵۴، ص ۳۹۔

[5] رکن الدین، لطائف قدوسی، مطبوعہ دہلی ۱۳۱۱ھ، ص ۱۲۔

لودھیوں کے ہم عصر سلاطینِ جون پور میں سلطان ابراہیم شرقی نے علم و ادب کی سرپرستی میں بڑا نام پایا ہے۔ سلطان نے شرومنی سنگیت کے نام سے ہندوستانی موسیقی پر ایک قابلِ قدر کتاب لکھی تھی[1]۔ اس کے پوتے سلطان حسین شرقی کو بھی ہندوستانی موسیقی میں اجتہاد کا درجہ حاصل تھا۔ چنانچہ اس نے خیال، جون پوری، حسینی کا نہڑا اور حسینی ٹوڑی جیسے راگ ایجاد کر کے ہندوستانی موسیقی میں قابلِ قدر اضافہ کیا ہے[2]۔ سلاطین شرقی نے مقامی فنِ تعمیر کی خوب سرپرستی کی، چنانچہ اٹالہ دیوی مسجد ان کے مخصوص فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔

بہمنی سلاطین میں سے احمد شاہ اول علماء فضلاء کا بڑا قدردان تھا۔ اس کے حکم سے درگاراسی کی کتاب سالوترا کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ اس کتاب کا پندرھواں باب "سنسکرت زبان اور ادب" پر مشتمل ہے۔ اس باب میں درگاراسی نے ان تمام کتابوں کا ذکر کیا ہے جو مسلمانوں کے عہد میں سنسکرت زبان میں لکھی گئیں[3]۔ اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ عہدِ اسلامی میں ہندوؤں کو لکھنے پڑھنے کی عام آزادی تھی جبھی تو انھوں نے اس قدر لٹریچر پیدا کر لیا۔

شیر شاہ سوری کے عہد میں ملک محمد جائسی ہندوؤں کے علوم و فنون پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے اور ان کی تصنیف "پدماوت" آج بھی بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت محمد غوث گوالیاریؒ کو بھی ہندوؤں کے علوم و فنون اور ہندوستانی موسیقی پر بڑی دسترس حاصل تھی۔ انھوں نے سنسکرت کی ایک کتاب امرت کنڈ کا بحر الحیات کے نام سے فارسی میں بڑا عمدہ ترجمہ کیا ہے۔ میاں تان سین کو مغلیہ عہد کا موسیقارِ اعظم بنانے میں حضرت کی توجہ اور کوشش کو خاص دخل حاصل ہے۔ تان سین کے علاوہ مشہور موسیقار بیجو باورا کو بھی حضرت کی سرپرستی حاصل تھی۔

۱؎ ڈاکٹر عبد الحلیم، ایسیز آن ہسٹری آف انڈو پاک میوزک، مطبوعہ ڈھاکہ ۱۹۶۲ء صفحہ ۱۷: ۱۸۔

۲؎ عطیہ بیگم فیضی، دی میوزک آف انڈیا، مطبوعہ لندن ۱۹۲۵ء، ص ۶۵

۳؎ آر سی، موجمدار، دی دہلی سلطانیٹ، مطبوعہ بمبئی ۱۹۶۰ء، ص ۵۳۸۔

کشمیر کے حاکم سلطان زین العابدین بڈشاہ نے بھی ہندو فضلاء اور موسیقاروں کی بڑی سرپرستی کی۔ شیخ نور الحق دہلوی کے خیال میں وہ خود بھی موسیقی کی مختلف اقسام پر بڑی گہری نظر رکھتا تھا[1]۔ اسی کے حکم پر مشہور کتاب راج ترنگنی کا سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔

برصغیر پاک و ہند کے مسلمان حکمرانوں کی وسعتِ قلب، وسیع المشربی، عالی حوصلگی اور مقامی زبانوں کی سرپرستی کی اس سے بہتر اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ جامع مسجد برہان پور اور اسیر گڑھ کی مسجد کے در و دیوار پر قرآن پاک کی آیات کے ساتھ ساتھ سنسکرت زبان کے کتبے بھی موجود ہیں اور کبھی کسی عالم دین نے ان کی مساجد میں موجودگی پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

---

[1] نور الحق، زبدۃ التواریخ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری آذر کلکشن، ورق ب ۲۸۵
"در علم موسیقی مہارتے تمام داشت"

چند ازدواجی مسائل : از مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

اس کتاب میں ازدواجی زندگی سے تعلق رکھنے والے چھ مسائل پر بڑی عالمانہ اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور عام روش سے ہٹ کر کتاب و سنت و فقہ کی روشنی میں ان پیچیدگیوں کا مجتہدانہ حل پیش کیا گیا ہے جن کی وجہ سے ازدواجی زندگی نمونۂ دوزخ بنی رہتی ہے۔ جو مسائل اس کتاب میں زیر بحث آتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ کمسنی کی شادی اور اختیار فسخ نکاح ۔ (۲) تین یکبارگی طلاقیں ۔ (۳) خلع (۴) نشے کی حالت میں طلاق ۔ (۵) جہیز کی غیر ضروری رسم ۔ (۶) حضانت یعنی بے سہارا بچوں کی پرورش ۔

فاضل مؤلف نے نصف صد کتابوں کے حوالوں کی روشنی میں چند تجاویز پیش کی ہیں اور ایسے ایسے نئے نکتے پیدا کیے ہیں جن پر اس سے پہلے کسی اہل علم نے قلم نہیں اٹھایا۔ (زیر طبع)

ملنے کا پتہ

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کلب روڈ، لاہور